ہم اسیر ایک رات کے

مکمل ناول

''چوہدری سائیں ہمیں انصاف چاہیے۔اس ظالم نے جو میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے، میں چاہتا ہوں اس کی ایسی سزادی جائے کہ پورا گاؤں یادر کھے۔''

وہ ہاتھ جوڑے کھڑے، آنسو بہاتے ہوئے اپنی بارہ سالہ بیٹی زینب کے لیے انصاف مانگ رہے تھے۔ جسے وجاہت شیخ کے بیٹے شہروز شیخ نے اپنی ہوس کا نشانہ

بنادیا تھا۔

''تم فکر نہ کرو سراج الدین۔کل پنچائیت میں تمہاری بیٹی کو ضرور انصاف ملے گا۔جاؤ تم سے ہماری ملاقات اب کل صبح پنچائیت میں ہی ہوگی۔'' سگار کا کش لیتے ہوئے وہ سخت لہجے میں بولے۔

جس پر سراج الدین سر جھکائے، بھاری ہوتے قدموں کے ساتھ اپنے گھر کی جانب چل پڑا جہاں اس کی بیوی اپنی بیٹی کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی

اس کے بخار کو کم کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ کیا کہا چوھدری سائیں نے؟'' سراج الدین کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر رشیدہ نے بے تابی سے پوچھا۔ ایک نظر ساتھ ہی بیٹھے اپنے بائیس سالہ بیٹے اردشیر پر ڈالی جو خود بھی باپ کی جانب متوجہ تھا۔

''کل پنچائیت میں فیصلہ ہوگا۔'' افسردہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ وہیں بچھی چارپائی پر لیٹ گئے جیسے مزید اور کچھ نہ کہنا چاہتے ہوں۔

اردشیر نے ماں کی طرف دیکھا اور پھر ایک نظر بخار میں تپتی اپنی بہن پر ڈالتا اٹھ کر گھر سے باہر نکل گیا۔

.....☆☆.....

صبح کے سورج کے ساتھ ہی گاؤں کے سب ہی لوگ پنچائیت میں جمع زینب کے لیے انصاف کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی پھیلی تھی۔ سراج الدین پر امید نظروں سے چوھدری سائیں کو دیکھ رہے تھے۔ جواب فیصلہ سنانے جا رہے تھے۔

''یہ پنچائیت اس فیصلے پر پہنچی ہے کہ.....'' چودھری سائیں نے رک کر ایک نظر وہاں کھڑے لوگوں پر ڈالی، ہر شخص سانس روکے ان کے بولنے کا منتظر تھا۔

''وجاہت شیخ کا بیٹا شیروز شیخ، سراج الدین کی بیٹی کے ساتھ زیادتی کا مرتکب

ہے۔جس کے بدلے میں سراج الدین کا بیٹا اردشیر سراج بھی وجاہت شیخ کی بیٹی کے ساتھ وہی عمل دھرا کر اپنی بہن کے ساتھ ہوئی زیادتی کا بدلہ لے گا۔ یہ ہی پنچائیت کا فیصلہ ہے۔''

اور پنچائیت کے اس بدترین فیصلے پر وہاں کھڑے ہر شخص کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ایک گناہ سرزد ہوا تھا جس کے بدلے دوسرے گناہ کی اجازت دی جارہی تھی۔ بھلا یہ بھی کوئی انصاف تھا۔

وجاہت شیخ سر جھکائے خاموش کھڑا تھا کیونکہ دوسری صورت میں اس کے بیٹے کو سنگسار کر دیا جاتا جو وہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو چکی تھی۔ اکثر کو اس فیصلے پر اعتراض تھا مگر پنچائیت کے فیصلے کے سامنے بولنے کی اجازت کسی کو نہیں تھی۔

''یہ سب کیا ہے بابا سائیں؟''

اردشیر نے غصے سے مٹھیوں کو بھینچے سراج الدین کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت بس شہروز شیخ کی جان لے لینا چاہتا تھا جو نا جانے کہاں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔

''انصاف۔ اب وجاہت شیخ کو پتا چلے گا عزت کا لٹ جانا کیا ہوتا ہے۔'' نفرت زدہ لہجے میں کہتے وہ وہاں سے نکلتے چلے گئے۔ ان کے اندر جلتی بدلے کی

آگ نے صحیح غلط کے فرق کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

.....☆☆.....

''پنچائیت یہ فیصلہ کیسے کر سکتی ہے۔ میری بچی کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔''

وجاہت شیخ کی بات سن کر ندرت شیخ روتے ہوئے بولیں۔ اس وقت وہ یہ بھول گئی تھیں کہ ان کا اپنا بیٹا بھی کسی کی زندگی تباہ کر چکا ہے۔

''اور کوئی راستہ نہیں ہے ہمارے پاس۔ ورنہ وہ شہروز کو جان سے مار دیں گے۔''

وجاہت شیخ بے بسی سے بولے۔ جبکہ کمرے کے باہر کھڑی اماں ابا کی باتیں سنتی مبارہ اس فیصلے پر ساکت رہ گئی تھی۔ کچھ گھنٹوں بعد اس کی عزت کا بھی جنازہ اٹھنے والا تھا یہ بات ہی اس کا دماغ ماؤف کر گئی تھی۔ اماں ابا اور بھی کچھ کہہ رہے تھے مگر وہ بھاری ہوتے قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

''ایک زنا کے بدلے دوسرا زنا۔'' سولہ سال کی مبارہ اب اتنی بھی چھوٹی نہیں تھی کہ ان سب باتوں کو سمجھ نہ پاتی۔

''کیوں کیا آپ نے شہروز بھائی ایسا؟ اب میں کیا کروں گی؟'' وہ روتے ہوئے وہی بیڈ کے قریب فرش پر بیٹھ گئی۔ معاشرے میں زیادتی شدہ عورتوں کے

ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے اس سے وہ ناواقف نہیں تھی۔ اپنے گاؤں میں ہی وہ ایسی کئی عورتوں کو دیکھ چکی تھی، جو سب کے لیے اچھوت تھیں۔ کوئی رشتے کے لیے ان کے گھر کا رخ نہیں کرتا تھا۔ لوگوں کی حقارت بھری نظریں اور ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ تنہا ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں اور اب یہی رسوائی اور ذلت پنچائیت میں اس کے نصیب میں بھی لکھ دی گئی تھی پر کون جانے کاتب تقدیر اس کے لیے کیا سوچے ہوئے تھا۔

.....☆☆.....

رات کی سیاہی نے اس گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، جب اس سناٹے کو چیرتی قدموں کی آواز اس گلی میں سنائی دینے لگی۔ وہ چلتے ہوئے اس دروازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔ جہاں وہ بدنصیب رہتی تھی جس کی پل بھر بعد زندگی جہنم بننے جا رہی تھی۔

''کون ہے؟'' دروازہ کھٹکھٹانے پر اندر سے بھاری مردانہ آواز ابھری۔

''سراج الدین! دروازہ کھولو۔'' سراج الدین کی آواز پر مقابل نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی وجاہت شیخ کھڑا تھا جس کے پیچھے کمرے سے نکلتی ندرت ان دونفوس کو دیکھتے ہی رونا شروع کر چکی تھیں۔

''اندر نہیں بلاؤ گے وجاہت؟'' سراج الدین کی آواز پر وجاہت شیخ نے فوراً ایک طرف ہو کر انہیں اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

اردشیر کو آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے سراج الدین گردن اکڑا کر اس کے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوئے۔ اس سارے وقت میں اردشیر خاموش کھڑا آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''وجاہت! وقت آ گیا ہے پنچائیت کے فیصلے پر عمل درآمد کیا جائے۔'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

اگر آج ان کی اپنی بیٹی خود اس اذیت سے نہ گزر رہی ہوتی تو شاید وہ اس قسم کی بے حسی کا مظاہرہ کبھی نہ کرتے۔ مگر بدلے کی آگ نے انہیں اندھا کر دیا تھا کہ ایک بیٹی کے باپ ہو کر بھی وہ کسی دوسرے کی بیٹی کو اسی اذیت سے گزارنے جا رہے تھے۔

''ندرت!''

وجاہت شیخ نے اپنی بیوی کو اشارہ کیا جو وہیں صوفے پر بیٹھی بے آواز روئے جا رہی تھیں۔ شوہر کے کہنے پر بھی وہ ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ مجبوراً وجاہت شیخ ہی بیٹی کے کمرے کی طرف بڑھے اور چند منٹ بعد ہی سر جھکائے مبارہ باپ کے

پیچھے پیچھے چلی آئی۔ وجاہت شیخ نے اسے نا جانے کیا کہا تھا جس پر اب وہ سر جھکائے سب کے سامنے کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ندرت کے رونے میں روانی آ گئی۔

''شیر۔''

سراج الدین کے اشارہ کرنے پر اردشیر اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر مبارہ کا بازو دبوچتے، واپس اسی کمرے میں لے گیا جہاں سے ابھی وہ باہر آئی تھی۔

دروازہ بند ہونے پر بے بسی کی مورت بنے وجاہت شیخ وہیں صوفے پر ڈھے گئے۔ بیٹے کی جان کا سوال نہ ہوتا تو اپنی بیٹی کی طرف اٹھنے والی آنکھیں نوچ لیتے مگر قسمت کے اس کھیل میں وہ ان ہاتھوں کو نہ روک پائے جو ان کی بیٹی کی طرف بڑھے تھے۔

کتنا ہی وقت گزر چکا تھا جب ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا اور کسی ایک پر بھی نظر ڈالے بغیر اردشیر تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ پیچھے ہی مبارہ فرش پر بے حال بیٹھی آنسو بہا رہی تھی ندرت تڑپ کر اس کی جانب بڑھیں۔ وجاہت شیخ کا جھکا سر مزید جھک گیا تھا اور سراج الدین فخریہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے خود بھی اردشیر کے پیچھے گھر سے باہر نکل گئے تھے۔

.....☆☆.....

رات میں برستی بارش کے باعث لاہور کا گرلز ہاسٹل اس وقت اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔جس کو دور کرنے کے لیے وہ کمرے میں موجود موم بتیاں جلاتی ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی۔لبوں پہ ایک تبسم آٹھہرا تھا۔

وہ موم بتیاں جلا کر اسٹڈی ٹیبل پر رکھتی کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ برسات کا یہ موسم اسے ایک الگ ہی جہاں میں لے جاتا تھا۔جس میں وہ خوشیوں سے بھرے قوس قزح کے ہر رنگ کو اپنی زندگی میں برستا محسوس کرتی تھی۔ابھی بھی وہ ہاتھ پھیلائے باہر برستی بارش کو محسوس کرتی ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی۔جب پیچھے سے آتی عارفہ کی آواز پر چونک کر مڑی۔

''مبارہ میڈم!اب آپ سولہ کی نہیں بیس کی ہو چکی ہیں پھر یہ کون سی پہلی محبت کو آپ سلام بھیج رہی ہیں؟'' ہاتھ میں موجود ٹورچ کو ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ معنی خیز لہجے میں سوال کر رہی تھی۔

''پتا چلا ابھی تک جنریٹر کیوں نہیں چلایا۔'' عارفہ کے سوال کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے اپنا سوال داغا۔

''خراب ہو گیا میڈم اب کل ہی ٹھیک ہوگا۔اس لیے آج کی رات یہ موم بتیاں

جلاتے اور مچھروں کو مارتے ہوئے گزارو۔'' کہتے ہوئے اس نے ہوا میں ہاتھ چلائے یہ مچھروں کو بھگانے کی ناکام سی کوشش تھی۔

'' یہ کیا بات ہوئی؟ اگر ساری رات جاگتے رہیں گے تو ہاسٹل کی ہر لڑکی کل یونیورسٹی میں سوتی ہوئی ملے گی۔''

مبارہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹتی اب بیڈ پر جا بیٹھی۔ چہرے پر پریشانی کے اثار موجود تھے۔ وہ الگ بات ہے موم بتی کی مدہم روشنی میں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

'' اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ رات رات بھر جاگ کے پڑھائی بھی تو کرتے ہیں۔ خیر مجھے تو نیند آنے لگی ہے، میں تو چلی سونے شب بخیر۔'' کہتے ہوئے وہ واقعی سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔

مبارہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ اس نے سنا تھا کہ نیند سولی پر بھی آجاتی ہے اور آج اس نے دیکھ بھی لیا تھا۔ ناچار وہ بھی اپنے بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی مگر آنکھیں بند کرتے ہی نظروں کے سامنے وہ چہرہ آبسا، جس نے چار سال پہلے اسے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور پھر بے مقصد ہی وہ چھت کو تکتی رہی۔

تو یہ طے ہوا، اس کے کئی رت جگوں میں آج کی یہ رات بھی شامل ہو چکی تھی۔

.....☆☆.....

''اماں جلدی کریں مجھے دیر ہو رہی ہے کالج کے لیے۔''

سولہ سالہ زینب نے ایک بار پھر با بلند آواز لگائی جس پر کچن میں کام کرتیں رشیدہ بیگم نے گھور کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی اپنی بے صبری بیٹی کو دیکھا۔

''صبر نام کی کوئی چیز نہیں تم میں۔'' ہاتھ میں ٹرے تھامے وہ کچن سے باہر آتے ہوئے بولیں۔

''مجھے کالج کے لیے دیر ہو رہی ہے۔''

''اور مجھے آفس کے لیے۔'' زینب کے برابر میں بیٹھا اردشیر فوراً بہن کا ساتھ دیتے ہوئے بولا۔

''تم نے ہی بگاڑ رکھا ہے اسے۔'' رشیدہ بیگم اردشیر کو گھورتے ہوئے بولیں۔

''اس میں بگاڑنے والی کیا بات ہے؟ خیر چھوڑیں صارم کہاں ہے؟'' اردشیر نے بات بدلنے کے لیے خود سے چھوٹے بھائی کے متعلق پوچھا۔

''وہ اپنے دوستوں کے ساتھ صبح ہی گھر سے نکل گیا۔'' جواب زینب کی طرف سے آیا۔

''شرم کرو تم سے دو سال بڑا ہے۔'' رشیدہ بیگم نے فوراً ٹوکا۔

''بھائی۔''

''صحیح کہہ رہی ہیں اماں۔'' اردشیر نے بھی ماں کی تائید کی جس پر زینب برا سا منہ بناتے ہوئے اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔

''میرا ناشتہ ہوگیا اب چلیں مجھے کالج کے لیے دیر ہوجائے گی۔''

''ہاں چلو۔''

اردشیر بھی ہاتھ صاف کرتا اپنی جگہ سے اٹھا اور زینب کے ساتھ گھر سے باہر نکل گیا۔ رشیدہ بیگم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں جاتے دیکھا اور پھر ٹیبل پر موجود ناشتے کے جھوٹے برتن اٹھانے لگیں۔

انہیں لاہور آئے چار سال گزر چکے تھے۔ اس واقعے کے بعد سراج الدین گاؤں چھوڑ کر بیوی بچوں سمیت لاہور چلے آئے تھے۔ جہاں ان کی بہن اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ پہلے سے موجود تھیں اور اب عنقریب زینب کی ساس کے عہدے پر بھی فائز ہونے والی تھیں۔

.....☆☆.....

کلاس لینے کے بعد وہ دونوں کوریڈور سے گزرتے ہوئے یونیورسٹی کے گراؤنڈ

میں چلی آئی تھیں۔ جہاں اب بھی موسم ابر آلود ہو رہا تھا۔

''لگتا ہے پھر بارش شروع ہو جائے گی۔ ہمیں اس سے پہلے ہاسٹل چلے جانا چاہیے۔'' مبارہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو چلو چلتے ہیں ویسے بھی اب کوئی کلاس نہیں۔''

عارفہ نے کہتے ہوئے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا ساتھ ہی بیگ اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ اب ان دونوں کا رخ یونی کے گیٹ کی طرف تھا۔

جلدی جلدی قدم اٹھاتیں یونیورسٹی سے باہر نکل کر ابھی مزید چند قدم ہی آگے چلی تھیں کہ تبھی آسمان سے پانی کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔

''اف شٹ یار۔''

تیزی سے آگے بڑھتی وہ سڑک کنارے درخت کے نیچے جا کھڑی ہوئی تھیں۔

''اللہ جی جلدی کوئی سواری مل جائے۔'' سر پر بیگ کیے مبارہ پریشانی سے بولی۔

''رات بھر کیا کم بارش ہوئی تھی جو ابھی بھی شروع ہوگئی۔'' ہمیشہ سے بارش کو ناپسند کرنے والی عارفہ اس وقت سخت جھنجھلائی ہوئی تھی۔

''دیکھو وہ سامنے سے گاڑی آرہی ہے۔''

مبارہ نے اس کی توجہ دور سے آتی کار کی طرف کرائی، جو تیزی سے اس جانب بڑھ رہی تھی۔

عارفہ نے فوراً لفٹ کے لیے ہاتھ ہلایا جس پر وہ سیاہ مرسیڈیز سیدھا ان کے سامنے آرکی تھی۔

.....☆☆.....

کالج سے باہر نکلتے ہی اس کی نظر سیدھا اس سیاہ مرسیڈیز پر پڑی تھی جس کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا اردشیر کب سے اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔

''آج کیسے آ گئے آپ؟''

''موسم کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے سوچا خود ہی تمہیں کالج سے پک کر لوں۔'' زینب کے ہاتھ سے بیگ لیتے ہوئے ساتھ ہی اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

''یہ تو اچھا کیا آپ نے۔''

''چلو اب جلدی گاڑی میں بیٹھو بارش شروع ہونے سے پہلے گھر پہنچنا ہے۔''

زینب کو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا کر وہ دروازہ بند کرتا ہوا خود بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آیا اور گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھا لے گیا۔

راستے میں ہی تیز بارش شروع ہو چکی تھی۔ اردشیر ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ زینب کی باتوں کے جواب دینے میں بھی مصروف تھا۔ جب سنسان سڑک پر تیز بارش میں بھگتی ہوئی انہیں دو لڑکیاں دکھائی دیں۔

''بھائی شاید انہیں مدد کی ضرورت ہے۔'' ان میں سے ایک کو ہاتھ ہلاتے دیکھ زینب نے کہا۔

''یہاں سب کو مدد کی ضرورت ہے زینب ہم ہر کسی کے لیے نہیں رک سکتے۔'' اردشیر سنجیدگی سے بولا۔ وہ شاید رکنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

''پر بھائی کتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔'' اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے زینب نے اسے سمجھانا چاہا ساتھ ہی ایک نظر سامنے کی طرف ڈالی جہاں وہ دونوں کھڑی تھیں۔

زینب کے اصرار پر اردشیر نے مزید کچھ بھی کہے بغیر گاڑی سیدھا ان دونوں کے سامنے لے جا کر روک دی۔

.....☆☆.....

''شکر اللہ!'' گاڑی کے رکتے ہی عارفہ فوراً اردشیر کی طرف بڑھی جو گاڑی کا شیشہ نیچے گراتا اب بھی سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جبکہ پیچھے کھڑی مبارہ اسے

دیکھتے ہی ساکت رہ گئی تھی۔آسمان سے برستی بارش، عارفہ کا اردشیر سے مدد طلب کرنا، اسے کسی چیز کا ہوش نہیں تھا وہ تو اس ایک رات میں پہنچ گئی تھی جس نے اس کی زندگی مکمل طور پر بدل کر رکھ دی تھی۔

''چلو مبارہ کہاں کھو گئی؟''

''ہاں کہ.....کہیں نہیں۔'' عارفہ کی آواز پر وہ ایک دم ہوش میں آئی۔مگر خود کو تکتی عارفہ کی عجیب نظریں اسے بہکانے پر مجبور کر گئی تھیں۔

''بات کر لی میں نے آجاؤ یا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے؟''

''نہیں چلو۔'' سر جھکائے وہ عارفہ کے ساتھ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔ان کے بیٹھتے ہی اردشیر نے گاڑی ہاسٹل کے راستے پر ڈال دی۔باقی کا سارا سفر خاموشی سے گزرا تھا۔

.....☆☆.....

''کیا اس نے مجھے پہچانا نہیں؟'' رات کے نو بجے اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھی مبارہ اسائنمنٹ پر توجہ دینے کے بجائے مسلسل اردشیر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ہاسٹل واپس آنے کے بعد سے اس کی سوچ کے سارے تانے بانے اردشیر سے جا جوڑے تھے۔جو چار سال پہلے کی نسبت کافی بارعب اور سنجیدہ نظر آرہا تھا۔مگر اس

نے ایک نگاہ غلط بھی مبارہ پر نہیں ڈالی تھی اور یہ ہی بات اسے پریشان کیے جا رہی تھی۔

''کیا میں چار سال میں کافی بدل گئی؟'' اس نے ٹیبل پر موجود آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا جس کی خوبصورتی کا کوئی بھی مرد اسیر ہو سکتا تھا۔

''نہیں میں تو اب بھی ویسے ہی ہوں۔ وہ بھی ویسے ہی تھے پھر مجھے کیوں نہیں پہچانا؟ میں تو انہیں نہیں بھولی تو۔ تو کیا وہ مجھے بھول گئے۔''

خود سے بڑبڑاتی وہ اس ایک رات کے بارے میں سوچنے لگی جب اردشیر سب کے سامنے اسے کمرے میں لے گیا تھا۔

''پلیز اللہ سائیں مجھے اس انسان سے بچا لیں۔'' بیڈ پر بیٹھی سولہ سالہ مبارہ خوفزدہ نظروں سے اردشیر کو دیکھ رہی تھی جو ادھر سے ادھر چکر لگاتا نا جانے کیا سوچ رہا تھا کہ کمرہ لاک کر کے، مبارہ کو بیڈ پر دھکیلنے کے بعد، وہ جیسے اسے بھول ہی گیا تھا۔

کافی دیر تک یونہی کمرے کے چکر لگاتے رہنے کے بعد اردشیر نے مبارہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دروازے کی طرف بڑھا۔ مبارہ حیرت زدہ سی اس کے پیچھے چل پڑی جس نے کمرے میں لا کر ہاتھ لگانا تو دور ایک نظر اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔ وہ

یہی سب سوچتی اس کے پیچھے چل رہی تھی جب ایک دم سے اردشیر مڑا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر چھوڑتا زمین بوس کر گیا۔

مبارہ آنسو بہاتی گال پر ہاتھ رکھے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں میں حیرت کی جگہ اب خوف نے لے لی تھی۔ کپڑے فرش پر گرنے کے باعث بے ترتیب ہو چکے تھے۔ اردشیر کے ایک تھپڑ نے ہی اسے حال سے بے حال کر دیا تھا۔

''یہاں سے باہر نکل کر تم سب کو یہی بتاؤ گی کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ سمجھی؟'' وہ اسے آنکھیں دکھاتا ہوا بولا۔ جس پر مبارہ نے روتے ہوئے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

اس کے بعد اردشیر تو وہاں سے نکل گیا مگر اپنے پیچھے بہت کچھ چھوڑ گیا تھا۔ تہمت، عزت، عقیدت۔

اردشیر کے نام کی تہمت لیے مبارہ اس کے ساتھ عقیدت جیسے احساسات سے بندھ گئی تھی۔ ایک کمرے میں وقت گزارنے کے باوجود اس کی عزت محفوظ تھی یہ بات اردشیر اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا اور نہ وہ چاہتی تھی کہ کوئی جانے وہ ہمیشہ اس کے نام کی تہمت کے ساتھ رہنا چاہتی تھی جس کے سر الزام تھا اس کی عزت کے لٹنے کا، جس سے اسے عقیدت تھی اس کی عزت کو محفوظ رکھنے کی اور جس

سے اسے محبت تھی۔

''محبت!'' اس نے دھیرے سے دھرایا۔

''نہیں۔ مجھے اردشیر سے محبت نہیں ہے۔'' وہ انکاری ہوئی۔

اس بات سے بے خبر کہ وہ تو اس ایک رات کی اسیر ہو چکی تھی، ان چار سالوں میں وہ اس ایک رات میں ہی کہیں قید ہو چکی تھی۔

.....☆☆.....

رات کے دوسرے پہر اپنے کمرے میں لیٹا وہ کب سے بس کروٹوں پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ پر یہ اندر کا غبار تھا کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ چار سال پورے چار سال بعد اس نے وہ چہرہ دیکھا تھا جسے دیکھتے ہی اس کے اندر نفرت کی چنگاریاں بھڑک اٹھی تھیں۔ اس نے کس طرح خود کو قابو کیا تھا یہ بس اردشیر ہی جانتا تھا۔ اپنی بہن کے ساتھ ہوئی وہ زیادتی آج تک بھولا نہیں تھا اور نہ ہی بھولنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''دعا کرنا پھر کبھی ہمارا سامنا نہ ہو ورنہ اب کی بار میں کیا کر جاؤں یہ میں خود بھی نہیں جانتا۔''

چار سال سے کہیں چھپے وقتی جذبات کے زیر اثر وہ حقارت سے سوچتا ہوا

آنکھیں بند کر کے ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اس بات سے بے خبر کہ انسان کے وقتی جذبات تو اس پانی کے بلبلے کی طرح ہوتے ہیں جو ذرا سا چھونے پر ہی اپنا نام ونشان تک کھو دیتے ہیں۔

.....☆☆.....

چھٹی کے باعث آسیہ اپنے بیٹے عمر کے ساتھ آج صبح ہی سراج الدین کی طرف چلی آئی تھیں۔ سب بڑے اکھٹے جمع تھے جس پر چائے کا انتظام لان میں کر دیا تھا اور اب تینوں چائے پیتے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے۔ جب موقع دیکھ کر آسیہ نے زینب کے نکاح کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی پلوشہ اور اردشیر کے رشتے کا بھی ذکر چھیڑ دیا۔

''رشیدہ بھابھی میں چاہتی ہوں زینب اور عمر کے نکاح کے ساتھ اردشیر اور پلوشہ کا بھی نکاح کر دیں میری بڑی خواہش تھی کہ اردشیر کو اپنا داماد بناؤ۔'' وہ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولیں۔

''مگر آسیہ زینب ابھی پڑھ رہی ہے اور اردشیر مجھے اس سے بھی اس رشتے کے بارے میں بات کرنی پڑے گی۔''

رشیدہ بیگم نے کہتے ہوئے ایک نظر سراج الدین پر ڈالی جوان دونوں کو نظر انداز

کیے اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔ وہ وٹے سٹے کی قائل نہیں تھیں مگر نند کو بیٹے کے رشتے کے لیے انکار کرنے کا مطلب تھا زینب کے رشتے سے بھی ہاتھ دھو لینا جو وہ ہرگز نہیں چاہتی تھیں۔

زینب کے ساتھ ہوئی زیادتی کے بعد بھی ان کی نند بھتیجی کو بہو کے طور پر اپنا رہی تھی یہ بات ہی رشیدہ بیگم کا سر آسیہ کے سامنے جھکانے کے لیے کافی تھی۔

''ہاں آپ اس سے بھی بات کر لیں مجھے پورا یقین ہے وہ انکار نہیں کرے گا اور رہی زینب کی پڑھائی تو بس ابھی نکاح کر رہے ہیں رخصتی اس کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد رکھ لیں گے۔ آپ کیا کہتے ہیں بھائی؟'' آسیہ نے سراج الدین کو بھی بیچ میں گھسیٹا۔

''بچے راضی ہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' سراج الدین اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے بولے۔

''ٹھیک ہے پھر آپ لوگوں کی یہی مرضی ہے تو میں اردشیر سے بات کرتی ہوں۔'' رشیدہ بیگم دل پر پتھر رکھتے ہوئے بولیں۔ نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس رشتے کے لیے راضی ہو گئی تھیں۔

.....☆☆.....

''اماں کی طبیعت تو ویسے کے ویسے ہی ہے۔آپ شہر میں کسی ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھا دیتے۔''

چھٹی کے باعث مبارہ اماں ابا سے ملنے گاؤں چلی آئی تھی اور اب کمرے میں بیڈ پر بیٹھی وہ پریشانی سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔ جو اکلوتے بیٹے کی موت کے غم میں بستر سے ہی لگ کر رہ گئی تھیں۔

آٹھ ماہ پہلے کار ایکسیڈنٹ میں ہوئی شہروز شیخ کی موت کا صدمہ اتنا گہرا تھا کہ اب وہ اکثر ہی بیمار رہنے لگی تھیں۔ کچھ بیٹی کا دکھ تھا کہ بیس سال کی ہونے کے باوجود کسی نے رشتے کے لیے ان کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔

اردشیر کے نام کی لگی تہمت کسی کو بھی اس گھر کی دہلیز پار نہیں کرنے دیتی تھی۔ کچھ گاؤں والوں کی باتیں بھی تھیں جن سے کافی عرصہ پہلے دل برداشتہ ہو کر وجاہت شیخ نے اسے پڑھنے کے لیے لاہور بھیج دیا تھا۔

''شہر کے ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے میں ٹھیک ہوں۔''

نحیف سی آواز میں کہتی ندرت شیخ بیٹی کو دیکھنے لگیں جو گلابی رنگ کے شلوار قمیض میں خود بھی کوئی کھلتا ہوا گلاب لگ رہی تھی مگر اس کا نصیب۔اس کا نصیب تو شاید مرجھا سا گیا تھا۔

''اٹھا تو جا نہیں رہا آپ سے خاک ٹھیک ہیں۔''

''میں نے کہا نا میں ٹھیک ہوں کہیں نہیں جانا مجھے۔'' اب کے وہ اپنی آواز میں سختی لاتے ہوئے بولیں۔

''اچھا ٹھیک ہے غصّہ نہیں کریں۔ ویسے گھر میں کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے صبح ناشتہ کیا تھا جو سفر میں ہی ہضم ہو گیا۔'' مبارہ نے معصومیت سے ماں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے تو کچھ بنایا ہی نہیں میں ابھی۔''

''نہیں آپ رہنے دیں میں بناتی ہوں۔ آپ آرام کریں۔''

ندرت شیخ کو منع کرتی وہ تیز سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تا کہ کھانے کے لیے کچھ بنا سکے ورنہ وہ جانتی تھی اس کی ماں بیماری میں بھی اٹھ کر اس کے لیے کچن میں گھس جاتی۔

.....☆☆.....

خان ولا میں اس وقت سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے رات کے کھانے میں مصروف تھے۔ جب شاہد خان نے آسیہ کو مخاطب کیا۔

''آج آپ سراج الدین کی طرف گئی تھیں، کیا ہوا؟'' باپ کی بات پر عمر نے

بھی سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

''میں نے بھائی بھابھی سے بات کی تھی اردشیر اور پلوشہ کے نکاح کی، بھائی کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

آسیہ نے کہتے ہوئے ایک نظر پلوشہ پر ڈالی جس کا نوالہ منہ تک لے جاتا ہاتھ ہوا میں ہی رہ گیا تھا۔

''اور رشیدہ بھابھی ان کو تو کوئی اعتراض نہیں؟'' شاہد خان بھی کھانے سے ہاتھ روک کر اب آسیہ کی طرف پوری طرح سے متوجہ ہو چکے تھے۔

''انہوں نے کہا ہے اردشیر سے بات کر کے کچھ دنوں تک جواب دیتی ہیں۔''

''اور مجھے امید ہے اردشیر انکار نہیں کرے گا۔''

عمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جب سے اسے اپنے اور زینب کے نکاح کا پتا چلا تھا اس کی مسکراہٹ تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ آخر کو اس کی محبت جو اسے ملنے والی تھی۔

''چلو تم کہتے ہو تو مان لیتے ہیں ویسے ہمیں بھی لگتا ہے اردشیر انکار نہیں کرے گا۔ وہ ایک سمجھدار اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔'' مسکرا کر کہتے ہوئے شاہد خان واپس کھانے کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' آسیہ نے ایک بار پھر پلوشہ کی طرف دیکھا جو خاموشی سے کھانا ختم کر کے اب اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں کمرے میں جا رہی ہوں مجھے اسائنمنٹ بنانا ہے۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جاتے ہی آسیہ نے پہلے ایک نظر شاہد خان اور پھر عمر کی طرف دیکھا جنہوں نے اس کے جانے پر کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

.....☆☆.....

اپنی چھٹیاں گاؤں میں اماں ابا کے ساتھ گزار کر مبارہ واپس ہاسٹل چلی آئی تھی اور اب لاہور کے بازار کی خاک چھانتی وہ کچھ ضرورت کا سامان خرید رہی تھی۔ عارفہ کے سر درد کے باعث وہ اکیلی ہی چلی آئی تھی۔

''سارا سامان ہو گیا اور نا جانے کیا لانے کو کہا تھا عارفہ نے۔'' وہ ہاتھ میں موجود لسٹ دیکھتی ہوئی بڑبڑائی ساتھ ہی بیگ سے موبائل نکال کر عارفہ کو کال ملانے لگی پر آگے سے موبائل بند جا رہا تھا۔

''یہ بھی نا موبائل آف کر کے خود گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی ہوگی۔''

غصّے سے موبائل کو گھورتے ہوئے اس نے واپس بیگ میں رکھا اور سامان سے

بھرے دو تین شاپرز اٹھا کر شاپ سے باہر نکل گئی۔ اب وہ سڑک پر چلتی کسی رکشہ یا ٹیکسی کی تلاش میں تھی۔

''آج ہی سب کو غائب ہونا تھا کوئی رکشہ، ٹیکسی ہی نظر نہیں آ رہی۔'' سڑک پر نظر دوڑاتے ہوئے مبارہ نے کوفت سے سوچا وہ بس جلد از جلد ہاسٹل پہنچ جانا چاہتی تھی۔ اگر اسے خاص ضرورت نہ ہوتی تو وہ کبھی یوں اکیلے بازار نہ آتی۔

''بے چاری تھک گئی۔''

''کیا ہوا میڈم ہاتھ میں درد ہو رہا ہے تو ہم مدد کر دیں شاپرز پکڑنے میں؟'' وہاں سے گزرتے دو تین منچلے نوجوان اسے دیکھتے ہی آوازیں کسنے لگے تھے۔ مبارہ انہیں نظر انداز کرتی اپنے گرد لپٹی چادر کو مزید ٹھیک کرنے لگی۔

''گلابی آنکھیں جو تیری۔''

اس سے پہلے ان میں سے ایک مزید بکواس جاری رکھتا پیچھے سے پڑنے والے تھپڑ نے اس کی بولتی بند کر دی۔ وہ گال پر ہاتھ رکھے پیچھے مڑا جہاں اردشیر کھڑا غصے سے انہیں گھور رہا تھا۔

''بہت شوق ہے سڑک پر چلتی لڑکیوں کو چھیڑنے کا۔''

ابھی وہ مزید اس لڑکے کو تھپڑ جڑتا کہ اردشیر کے خطرناک تیور دیکھ کر وہ لڑکے فوراً

وہاں سے بھاگ گئے۔ ویسے بھی وہ نوجوان لڑکے اس لمبے چوڑے مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ان کے جاتے ہی اردشیر نے اپنا رخ مبارہ کی جانب کیا۔

''تمہیں بھی بہت شوق ہے عزت کو ہاتھ میں لیے گھومنے کا۔''

''جی؟''

مبارہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا وہ واقعی اردشیر کی بات کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھی۔

''اپنی عزت پیاری نہیں ہے شاید تمہیں اس لیے اب سڑکوں پر نکل آئی ہو۔'' اپنے اندر موجود نفرت وہ لفظوں کے ذریعے باہر نکال رہا تھا۔مبارہ کئی لمحے اسے گنگ سی حالت میں دیکھتی رہی جب بولی تو آواز میں لرزاہٹ تھی۔

''میں بس ضرورت کے تحت باہر نکلی تھی،شوق سے نہیں۔''

''بیٹھو گاڑی میں۔اس سے پہلے واقعی عزت کا جنازہ نکل جائے،تمہیں تمہارے ہاسٹل چھوڑ دوں۔'' سخت کٹیلے لہجے میں کہتا وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔مبارہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔

آج پھر وہ اس کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔غیر ہونے کے باوجود اردشیر کا ساتھ اسے تحفظ فراہم کرتا تھا یہی بات اس کی اردشیر سے وابستہ عقیدت کو مزید

بڑھا دیتی تھی۔

''شکریہ!''

ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر گاڑی رکتے ہی وہ اس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ اردشیر نے یونہی نگاہ اس پر ڈالی کہ ٹھہر سا گیا۔ مبارہ کی بولتی آنکھیں کچھ الگ ہی داستان بیان کر رہی تھیں۔ ان میں اترتی چمک، اردشیر نے فوراً اپنی نگاہ پھیر لیں۔ جب بولا تو لہجہ سختی لیے ہوئے تھا۔

''جاؤ جلدی۔''

''جی۔''

مبارہ فوراً گاڑی سے اتر کر ہاسٹل کی جانب بڑھی۔ اردشیر اسے ہی دیکھتا رہا جب تک وہ اندر نہیں چلی گئی۔

''مجھے کیا ضرورت تھی اس کی مدد کرنے کی۔''

سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کرتا وہ گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

آج سڑک سے گزرتے وقت ان لڑکوں کا مبارہ کو تنگ کرتے ہوئے دیکھنا، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی مدد کو چلا آیا تھا۔

.....☆☆.....

''اچھا ہوا تم آ گئیں۔ابھی میں تمہیں ہی کال کرنے والی تھی۔'' مبارہ کو روم میں داخل ہوتے دیکھ عارفہ جلدی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی تا کہ شاپرز لے سکے۔

''ہاں وہ واپسی میں کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے دیر ہو گئی۔''

آہستہ آواز میں کہتی وہ شاپرز عارفہ کو پکڑا کر بیڈ پر جا بیٹھی۔سوچ کے سارے تانے بانے اردشیر سے جڑے تھے۔اس کی موجودگی،اس کے تحفظ کا اتنا گہرا اثر تھا کہ مبارہ اس کے لفظوں کی تیزی کو سرے سے فراموش کر چکی تھی۔اگر کچھ یاد تھا تو یہ۔اردشیر نے ایک بار پھر اس کی عزت کی حفاظت کی تھی اور سب سے بڑھ کر وہ اسے یاد تھی۔یہی بات اسے سرشار کرنے کے لیے کافی تھی۔

''کیا ہوا میڈم اکیلے اکیلے مسکرا رہی ہو۔کہیں محبت تو نہیں ہو گئی؟''

عارفہ اسے دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی جس پر مبارہ کی مسکراہٹ کچھ مزید گہری ہوئی اور وہیں عارفہ کی دونوں آنکھیں پھیل گئیں۔

.....☆☆.....

اردشیر گھر میں داخل ہوا تو سامنے ہی صارم صوفے پر بیٹھا موبائل میں سر جھکائے مصروف نظر آیا۔

''اماں کہاں ہیں؟''

''پڑوس میں گئی ہیں۔'' موبائل میں جھکے ہی جواب آیا۔

''او کے پانی لے کر آؤ میرے لیے۔''

اردشیر اسے حکم دیتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا جبکہ صارم آنکھوں کو پورا کھولے اس کی پشت کو گھورتے ہوئے پیچھے سے چلایا۔

''یہ میرا کام نہیں ہے۔''

''پانچ منٹ میں پانی لے کر کمرے میں موجود ہو۔''

اردشیر بھی اسی کے انداز میں کہتا اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے بیڈ پر بیٹھ گیا اب وہ اپنے جوتے اتار رہا تھا۔

''آج پھر وہ میرے سامنے تھی۔''

مبارہ کو ہاسٹل چھوڑنے کے بعد سے وہ مسلسل اسے سوچ رہا تھا۔ ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔

''جتنا میں چاہ رہا ہوں اس سے سامنا نہ ہو وہ اتنا ہی میرے سامنے آ رہی ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''مجھے بھی کیا ضرورت تھی اس کی مدد کرنے کی کہیں محترمہ کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔'' اردشیر کو اس کی آنکھیں یاد آئیں۔ جن میں اسے دیکھتے ہی چمک اتر

آئی تھی۔

''میرا وہم بھی ہوسکتا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں اتنا نہیں سوچنا چاہیے۔''

اس نے خود کو جھٹلایا اور اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

اس بات سے انجان کہ محبت یا نفرت جیسے جذبات سے وابستہ شخص کو انسان ہمیشہ اپنے ذہن پر سوار رکھتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اردشیر مبارہ کو ہی سوچ رہا تھا۔

.....☆☆.....

صبح سے ایک کے بعد ایک کلاس لینے کے بعد اب وہ دونوں باتیں کرتی کینٹین کی طرف جا رہی تھیں جب سامنے سے آتی پلوشہ کی پکار پر رک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''مبارہ مجھے تم سے کام تھا۔'' وہ ان کے سامنے آ کر بولی۔

''ہاں بولو کیا ہوا؟'' سر پر موجود دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''یار سر واصف نے جو ٹاپک سمجھایا تھا کیا وہ تم مجھے سمجھا سکتی ہو؟ میری کلاس مس ہوگئی تھی۔'' وہ امید بھری نظروں سے مبارہ کو دیکھنے لگی۔

''اتنی سی بات ہے میں سمجھا دوں گی۔'' مبارہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تھینک یو سو مچ میں کافی پریشان ہوگئی تھی۔''

''چلو کینٹین میں چل کر بیٹھتے ہیں۔'' ان دونوں کو وہیں جمے دیکھ عارفہ نے مداخلت کی۔

''تمہارا کچھ نہیں ہوسکتا چلو۔''

مسکرا کر کہتی مبارہ ان دونوں کے ساتھ کینٹین کی طرف چل پڑی۔ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر کھانے پینے اور باتوں کے دوران ان کا ارادہ پلوشہ کے گھر جانے کا ہو گیا تھا۔

.....☆☆.....

''ارے میرا شیر آیا ہے۔'' آسیہ لاؤنج میں بیٹھی اس وقت ٹی وی پر چلتا ڈرامہ دیکھ رہی تھیں جب سامنے سے آتے اردشیر کو دیکھتے ہی کھل اٹھیں۔

''السلام علیکم پھوپھو!''

''وعلیکم السلام! کیسے ہو؟'' آسیہ نے کھڑے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''الحمدللہ ٹھیک! آپ کیسی ہیں؟'' ان کا حال پوچھتا اردشیر ان کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں تم بتاؤ آج یہاں کا رخ کیسے کرلیا؟ یقیناً عمر سے کوئی کام

ہوگا۔'' آسیہ کی بات پر اردشیر اپنی مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ وہ واقعی عمر سے کام کے سلسلے میں ملنے آیا تھا۔

''جی وہ۔''

اس سے پہلے وہ اپنے آنے کی وجہ بتاتا پلوشہ عارفہ اور مبارہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔

''ماما یہ میری کلاس فیلوز ہیں عارفہ اور مبارہ۔''

سلام دعا کے بعد پلوشہ ان کا تعارف کرانے لگی۔ عارفہ فوراً آگے بڑھ کر آسیہ کے گلے ملی جبکہ مبارہ وہ تو آسیہ کے ساتھ موجود اردشیر کو دیکھتے ہی ساکت ہوگئی تھی۔ کیسا عجیب اتفاق تھا۔ قسمت انہیں بار بار ایک دوسرے کے سامنے لے آتی تھی۔

''مبارہ!'' پلوشہ کی پکار پر وہ چونک کر اس طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا ہوا؟''

''نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔'' وہ خود کو سنبھالتی آگے بڑھ کر آسیہ سے ملی۔

''ان سے ملو یہ اردشیر ہے میرا بھتیجا۔'' آسیہ مسکرا کر اردشیر کا تعارف کرانے لگیں۔

''جی ان سے تو ہم مل چکے ہیں۔'' عارفہ نے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے مبارہ کو دیکھا جو کبھی اپنے بال ٹھیک کرتی تو کبھی دوپٹہ۔

''واقعی! پہلے مل چکے ہو۔'' عارفہ کی بات پر آسیہ اور پلوشہ نے پہلے اسے پھر اردشیر کو دیکھا جو بظاہر تو خاموش کھڑا تھا پر جلد از جلد منظر سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔ اس لڑکی کی موجودگی اسے بے چینی میں مبتلا کر رہی تھی۔

''جی انہوں نے ہمیں لفٹ دی تھی۔''

''اوہ! یہ تو اچھی بات ہے۔''

''پھوپھو مجھے عمر سے کام تھا میں زرا اس سے مل لوں۔'' ان کی نہ ختم ہونے والی باتوں سے تنگ آ کر اردشیر نے مداخلت کی۔

''ہاں وہ اپنے کمرے میں ہے۔''

آسیہ کے بتانے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا فوراً عمر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ادھر مبارہ اردگرد کا ہوش بھلائے، اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی جب عارفہ نے کہنی مار کر تنبیہ کرتی نظروں سے گھورا۔

''آؤ کمرے میں چل کر باتیں کرتے ہیں۔ وہیں تم مجھے ٹاپک بھی سمجھا دینا۔''

پلوشہ ان دونوں کو ساتھ لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ جبکہ آسیہ کچن کی

طرف چل پڑی تھیں تا کہ کچھ مہمان نوازی کر سکیں۔

.....☆☆.....

ہاسٹل واپس آ کر وہ دونوں اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو چکی تھیں۔ باقی کا سارا وقت اسائنمنٹ کی تیاری میں گزر گیا تھا۔ وہ اتنی تھک چکی تھیں کہ اب بس آرام کرنا چاہتی تھیں۔

''مبارہ ایک بات پوچھوں؟'' عارفہ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا جو تکیہ درست کرتی سونے کی تیاری کر رہی تھی۔

''ہاں پوچھو۔''

''اردشیر میں ایسا کیا ہے کہ اس کے سامنے آتے ہی تم اردگرد کا ہوش بھلا دیتی ہو؟''

مبارہ سے اردشیر کے بارے میں جاننے اور آج کی ملاقات کے بعد وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

گو کہ مبارہ نے زینب سے زیادتی اور پنچائیت کے فیصلے کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا تھا سوائے اس کے کہ اردشیر اور وہ ایک ہی گاؤں سے ہیں اور وہیں مبارہ اس سے پہلی ملاقات میں محبت کا شکار ہوئی تھی۔

''کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔'' وہ سمجھ کر بھی انجان بنی۔

''میرا مطلب یار تم اتنی خوبصورت ہو کہ کوئی بھی لڑکا تمارا دیوانہ ہو جائے پھر تمہیں اردشیر میں ایسا کیا پسند آ گیا؟ حالانکہ وہ عام سی شکل وصورت کا مالک ہے۔'' عارفہ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

مبارہ خاموشی سے عارفہ کو دیکھنے لگی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ اردشیر کے چہرے کی نہیں بلکہ اس کے کردار کی اسیر ہے۔ جس نے گناہ کی اجازت ملنے کے بعد بھی اسے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا اور اردشیر وہ باقی مردوں کی طرح چہرے پر مر مٹنے والا نہیں تھا۔ وہ تو اس سے نفرت کرتا تھا۔ اتنی نفرت کے اپنی نظروں کے سامنے اس چہرے کو دیکھنا تک گوارہ نہیں کرتا تھا۔

''کیا ہوا کہاں کھو گئی؟'' اس کی خاموشی پر عارفہ نے چڑتے ہوئے پوچھا۔

''کہیں نہیں۔ بس تم نہیں سمجھ سکتی مجھے اردشیر کے چہرے سے نہیں ان کے کردار سے محبت ہے۔ ان کا ساتھ مجھے تحفظ دیتا ہے۔ اگر میں کسی مرد کی موجودگی میں خود کو محفوظ سمجھ سکتی ہوں تو وہ صرف اردشیر ہیں۔''

وہ غیر مرئی نقطے کو گھورتی، اس ایک رات میں پہنچ چکی تھی جہاں وہ اور اردشیر تھے۔ اس کے ساتھ گزرا ہر ایک لمحہ مبارہ کے لیے کسی قیمتی اثاثے سے کم نہیں

تھا۔

''جو بھی ہو آخر کو وہ ایک مرد ہی ہے۔''

مبارہ کے جواب پر آنکھیں گھماتی وہ اٹھ کر واپس اپنے بیڈ پر چلی گئی تھی مگر جاتے جاتے بھی اس نے مبارہ کو جتانا ضروری سمجھا۔

''ہاں مرد ہے پر باقی مردوں سے الگ ہے۔'' مبارہ دھیرے سے بڑبڑائی تھی۔

.....☆☆.....

کمرے میں بیڈ پر بیٹھا وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے اپنی ای میلز چیک کر رہا تھا۔ جب دروازے پر دستک دے کر رشیدہ بیگم اندر آئیں۔

''بیٹا مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔''

''جی بولیں کیا بات ہے۔''

''کیا آج تمہاری پھوپھو نے تم سے کوئی بات کی تھی؟''

وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں ان سے پہلے کوئی اور اردشیر سے اس بارے میں بات کرے۔

''نہیں تو کیا ہوا؟ کوئی بات ہوئی ہے؟''

اردشیر نے لیپ ٹاپ بند کر کے سائڈ پہ رکھا اور پورا کا پورا رشیدہ بیگم کی طرف متوجہ ہوا۔

''تمہیں بتایا تھا تمہاری پھوپھو آئی تھیں زینب کے نکاح کی بات کرنے۔''

''ہاں تو اس میں مسئلہ کیا ہے۔عمر سے بات ہوئی تھی وہ ابھی صرف نکاح کا کہہ رہا ہے۔''ماں کی بات پر وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

''یہ مسئلہ نہیں ہے۔''

''پھر۔''رشیدہ بیگم نے گہرا سانس لیتے ہوئے اردشیر کی طرف دیکھا۔

''وہ آسیہ پلوشہ کا نکاح تم سے کرنا چاہتی ہے۔''

''لیکن۔''

''دیکھو اردشیر تم جانتے ہو زینب کے لیے عمر کا رشتہ کتنا ضروری ہے اور تمہارے بابا سائیں کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔اس لیے انکار کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو۔''

اس سے پہلے اردشیر کچھ کہتا وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولیں۔

''اگر بابا سائیں اور آپ راضی ہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں آپ پھوپھو کو ہاں کر دے گا۔''

اسے واقعی اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں تھا جو انکار کی وجہ بنتا۔ ویسے بھی وہ اپنی بہن کی خوشیوں کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا تھا۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔ میں کل ہی آسیہ سے کہہ دوں گی وہ زینب کے ساتھ پلوشہ کے نکاح کی بھی تیاری کر لے۔''

رشیدہ بیگم اس کا ماتھا چومتی ہوئی بولیں اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ان کے جاتے ہی اردشیر واپس لیپ ٹاپ لے کر اپنے آفس کا کام کرنے لگا جب اچانک مبارہ کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آیا۔ اس نے فوراً اس کے خیال کو جھٹک دیا۔

.....☆☆.....

اگلی صبح ہی رشیدہ بیگم نے آسیہ کو فون کر کے اردشیر اور پلوشہ کے نکاح کے لیے ہاں کر دی۔ جس سے دونوں گھروں میں خوشیوں کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔ ہر کوئی اس رشتے کو لے کر بہت خوش تھا۔ آنے والے کچھ دنوں میں ہی دونوں گھروں میں نکاح کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

دوسری طرف مبارہ ندرت شیخ کی طبیعت مزید بگڑنے کے باعث گاؤں چلی آئی تھی تا کہ کچھ دن اماں ابا کے ساتھ گزار کر ان کی خدمت کر سکے۔ یونیورسٹی سے اس

نے چھٹیاں لی ہوئی تھیں۔ ویسے بھی اسائنمنٹ وغیرہ میں مدد کے لیے عارفہ موجود تھی۔

''اماں آپ آرام کریں میں ذرا کچن دیکھ لوں۔''

ندرت شیخ کو دوائیاں دینے کے بعد وہ بیڈ پر لیٹاتے ہوئے بولی۔

''مبارہ بیٹا اب میں ٹھیک ہوں۔تم اب واپس لاہور چلی جاؤ تمہاری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔''

''کوئی حرج نہیں ہو رہا اماں عارفہ ہے میری مدد کے لیے آپ پریشان نہ ہوں۔''اس نے جھک کر ان کے ماتھے پر پیار کیا اور پھر کمرے سے نکل کر کچن کی جانب بڑھنے لگی کہ دفعتاً بیرونی دروازے کی بیل بجی۔ مبارہ نے اپنے قدم دروازے کی جانب بڑھا دیے۔

''جی کون؟''سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''یہ وجاہت شیخ کے نام ڈاک آئی ہے۔''

خاکی لفافہ مبارہ کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔ جسے اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا۔لڑکے کو فارغ کر کے وہ دروازہ بند کرتی واپس کمرے کی طرف بڑھی تا کہ لفافہ اماں کو دے سکے۔

''ابا کے لیے کس نے بھیجا ہے؟'' ذہن میں اٹھتا سوال اور تجسس اسے لفافہ کھول کر دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''کیا ہوسکتا ہے اس میں؟ کیا میں کھول کر دیکھ لوں؟ ہاں دیکھ لیتی ہوں ابا نے کون سا کچھ کہنا ہے۔''

اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوتی، وہ وہیں رک کر لفافہ کھولنے لگی۔ جب اندر سے نکلتے شادی کے کارڈ نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔

.....☆☆.....

''زلیل انسان مجھے نیچا دکھانے کے لیے اس نے یہ کارڈ بھیجا ہے۔ میں چھوڑوں گا نہیں اسے۔''

وجاہت شیخ جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے میں چکر کاٹ رہے تھے جب ہاتھ میں موجود کارڈ کو بھینچتے ہوئے بولے۔ان کا غصّے سے برا حال تھا۔سراج الدین نے نکاح کی تقریب گاؤں میں رکھی تھی جس میں وجاہت شیخ کی فیملی کو بھی مدعو کیا تھا۔ وہ جانتے تھے سراج الدین نے جلے پر نمک چھڑکنے کی کوشش کی تھی۔تب بھی جب شہروز شیخ کی موت ہوئی تھی۔ گاؤں میں نہ رہتے ہوئے بھی وہ یہاں کی ساری سرگرمیوں سے واقف تھے۔

''مہربانی کر کے مجھ پر رحم کریں میرے پاس ایک بیٹی ہی ہے جسے اب مجھ میں کھونے کی ہمت نہیں۔''

ندرت شیخ بیڈ پر بیٹھی دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔انہیں ڈر تھا اگر وجاہت شیخ نے غصّے میں آ کر سراج الدین کو جانی نقصان پہنچا دیا تو اب کی بار ان کی بیٹی کو دنی ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

''ہنہہ! وہ کیا سمجھتا ہے ہمیں اس کے بچوں کی شادی سے کوئی فرق پڑتا ہے؟ نہیں۔ہم جائیں گے، ہم سب جائیں گے تا کہ اسے پتا چل سکے کہ وہ وجاہت شیخ کو توڑنا اتنا آسان نہیں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ کمرے سے باہر نکل چکے تھے۔ ندرت شیخ نے بیٹی کی طرف دیکھا جو کھڑکی کے پاس خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں نا جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔اس خبر کے ملنے کے بعد سے اسے چپ لگ گئی تھی۔

.....☆☆.....

دو دن مزید اماں ابا کے ساتھ گزار کر وہ واپس ہاسٹل چلی آئی تھی جہاں عارفہ اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔اسے بھی پلوشہ اور اردشیر کے نکاح کی خبر مل چکی تھی جس کے بعد سے اسے مبارہ کی فکر ہونے لگی تھی۔اس لیے اس نے مبارہ سے

بات کرنے کا سوچا اور اب وہ اس کے سامنے بیٹھی مسلسل اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''دیکھو مبارہ محبت وغیرہ سب بیکار ہے۔ دیکھنا جب تمہاری شادی ہوگی، چاہنے والا شوہر ملے گا تو تب تمہیں اردشیر یاد بھی نہیں رہے گا۔'' وہ اس کے ہاتھوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولی۔

''مجھے نہیں پتا کچھ بھی، میں کیسے سمجھاؤں اپنے دل کو۔'' اس کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔ وہ جب سے آئی تھی بس روئے جا رہی تھی۔

''مبارہ میری جان ہمیشہ یاد رکھو! یہ دنیا اور اس دنیا کی ہر چیز وقتی ہے حتیٰ کہ انسان کے جزبات بھی۔ مستقبل میں تمہیں یہ محبت حماقت سے کم نہیں لگے گی۔''

''نہیں عارفہ تم نے محبت نہیں کی اس لیے تم یہ سب کہہ سکتی ہو۔ لیکن محبت کوئی کھیل نہیں ہے جو بار بار کھیلا جائے۔ یہ بس ایک بار ہوتی ہے اور اگر نہ ملے تو ساری زندگی کا روگ بن جاتی ہے پھر چاہ کر بھی انسان کسی اور سے محبت نہیں کر پاتا۔''

مبارہ تو اردشیر کو بھولنے کی بات پر ہی تڑپ اٹھی تھی۔ عارفہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے اب تھک چکی تھی۔

''انسان سارے شوق پالے لیکن محبت کا روگ نہ پالے۔'' زور سے بڑبڑاتی

ہوئی وہ واش روم چلی گئی۔اس کے جاتے ہی مبارہ کے رونے میں مزید روانی آ گئی تھی۔

.....☆☆.....

''اب بس بھی کردو مبارہ کب تک یوں خاموش رہنا ہے۔آج سارا وقت سب کو تمہاری طبیعت خراب ہونے کا جھوٹ بول بول کر تھک گئی میں تو۔ہر کوئی پوچھ رہا تھا تم اتنی خاموش کیوں ہو۔''اس کے ساتھ کوریڈور سے گزرتے ہوئے عارفہ چڑ کر بولی۔

''تو تم سے کس نے کہا تھا جھوٹ بولنے کو۔''مبارہ نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔نکاح کی خبر کے بعد سے وہ ایسی ہی چڑچڑی ہوگئی تھی۔زیادہ تر خاموش رہتی پر جب بولتی تو کاٹ کھانے کو دوڑتی۔

''ہاں تو کیا سچ بتا دیتی کہ تم۔''

''خاموش ہو جاؤ سامنے پلوشہ کھڑی ہے۔''

مبارہ اس کی بات کاٹتی تیزی سے بولی ساتھ ہی پلوشہ کی طرف دیکھا جو کسی لڑکے کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ان کے قریب جاتے ہی وہ لڑکا فوراً وہاں سے چلا گیا۔

''کیسی ہو پلوشہ؟ بہت بہت مبارک ہو تمہیں نکاح۔''

''تھینکس!'' پلوشہ سنجیدگی سے بولی۔ اس کے نکاح کی خبر سارے ڈپارٹمنٹ کو مل چکی تھی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے کسی کو بھی اپنے نکاح کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ یہ کہہ کر معذرت کر لی تھی کہ نکاح سادگی سے ہو رہا ہے۔ جبکہ مبارہ جانتی تھی کہ نکاح کی تقریب کتنی دھوم دھام سے رکھی گئی تھی۔ گاؤں کے تقریباً ہر فرد کو مدعو کیا گیا تھا۔ مگر اپنے غم میں مبارہ نے اس طرف توجہ نہ دی۔

''اچھا مجھے کچھ کام ہے میں چلتی ہوں۔''

ایک دو اور باتوں کے بعد پلوشہ کہتی ہوئی فوراً وہاں سے نکل گئی۔ ویسے بھی یونی کا ٹائم آف ہونے لگا تھا۔

''تم دروازے تک چلو میں ذرا لائبریری سے ہو آؤں۔'' عارفہ گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے عجلت سے بولی۔

''میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔''

''نہیں تم گیٹ پر میرا انتظار کرو میں ابھی آئی۔''

عارفہ کہتی ہوئی لائبریری کی طرف بڑھ گئی جبکہ مبارہ نے اپنے قدم مین گیٹ کی جانب بڑھا دیئے۔ وہاں پہنچتے ہی اسے سامنے گاڑی سے ٹیک لگائے اردشیر کھڑا

نظر آیا جو یقیناً پلوشہ کو پک کرنے آیا تھا۔ مبارہ کے قدم بے اختیار اس کی جانب بڑھے۔

''کیسے ہیں آپ؟'' وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اسے کس بات کی سزا دی جا رہی ہے۔ کیا شہروز شیخ کی بہن ہونا اس کا قصور تھا یا محبت کرنا کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ انجان بن رہا تھا مگر کچھ بھی پوچھنے سے پہلے اس نے یہ پوچھا۔

''کیوں تم۔'' اردشیر جو اسے سخت سست سنانے کا ارادہ رکھ رہا تھا مبارہ کی طرف دیکھتے ہی ساکت ہو گیا۔ کیا کچھ نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔ شکوے، گلے، عقیدت، محبت۔

اپنے نام کی تہمت لگا کر وہ خود کسی اور سے شادی کر رہا تھا کیوں؟ اتنی نفرت۔ اب تو شہروز شیخ اس دنیا میں نہیں تھا۔ اس کی بہن کا گھر بھی بسنے جا رہا تھا پھر مبارہ کو کیوں تاعمر کی سزا سنا دی گئی تھی۔ اردشیر کو اس وقت اپنی نفرت بے معنی سی لگنے لگی۔

''مبارہ چلیں؟'' پیچھے سے آتی آواز پر دونوں نے چونک کر اس طرف دیکھا جہاں عارفہ کھڑی سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ہاں چلو۔''

اور اس سمے مبارہ کو ہر لفظ بے معنی لگنے لگا تھا۔ وقت گزر چکا تھا۔ وہ کسی اور کا

ہونے جا رہا تھا۔ مبارہ خاموشی سے عارفہ کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور اردشیر۔
وہ وہیں کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔

.....☆☆.....

نکاح سے قبل کئی بار اسے وجاہت شیخ کی کال آ چکی تھی جنہوں نے اسے خاص تاکید کی تھی نکاح میں شریک ہونے کی۔ یہ اب ان کی انا کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ سراج الدین پر واضح کر دینا چاہتے تھے کہ انہیں ان کی خوشیوں سے کوئی خاص سروکار نہیں۔ دوسری طرف مبارہ نے خود کو سمجھا لیا تھا کہ یہ محبت اس کا اپنا مسئلہ ہے اردشیر کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ وہ تو اس سے نفرت کرتا تھا اس نے کبھی اسے کوئی امید نہیں دلائی تھی۔ پھر کیسا شکوہ اور کیسی شکایت۔

وہ گاؤں کے لیے روانہ ہو چکی تھی بس فرق اتنا تھا اس بار اس کے ساتھ عارفہ موجود تھی جو اسے اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

''کیا ضروری ہے نکاح میں شرکت کرنا؟''

گھر پہنچ کر مبارہ کے اماں ابا سے ملنے کے بعد اب وہ سفر کی تھکن اتارنے کے لیے کمرے میں آرام کر رہی تھیں جب عارفہ اس کی طرف کروٹ لیتے ہوئے بولی۔

''ہاں بابا سائیں چاہتے ہیں ہم جائیں اور میں انہیں انکار نہیں کر سکتی۔'' مبارہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بے چینی اتنی تھی کہ دو گھڑی آرام بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

''مبارہ صبر کرو۔ دیکھنا ایک دن تمہاری زندگی میں بھی کوئی آئے گا جو تم سے اتنی محبت کرے گا کہ تم مجبور ہو جاؤ گی اس کی محبت کا جواب محبت سے دینے کے لیے اور تب اردشیر اگر تمہیں یاد رہا بھی تو اس کی محبت دم توڑ چکی ہوگی۔'' عارفہ ایک بار پھر اسے سمجھا رہی تھی۔

مبارہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ، دنیا کی ہر چیز کا نعم البدل نکل آتا ہے۔ انسان بدل جاتا ہے تو جذبات وہی کیسے رہ سکتے ہیں۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ شاید ایک دن میں اردشیر کو بھول جاؤں تب کوئی اور۔''

اور یہاں وہ اٹک گئی۔ کوئی اور کیوں اردشیر کیوں نہیں؟ اس کا ضبط جواب دینے لگا۔ اس سے پہلے وہ ایک بار پھر بکھر جاتی تیزی سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ پیچھے عارفہ افسوس کرتی اس کے حق میں دعا کرنے لگی۔

.....☆☆.....

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا وہ اپنی شیروانی کے بٹن بند کر رہا تھا جب اس نے ایک نظر آئینے پر ڈال کر اپنی تیاری کا جائزہ لیا۔ بلیک شیروانی اس پر خوب جچ رہی

تھی۔اس کے چہرے کی سنجیدگی اور رعب اس کی مردانہ وجاہت میں مزید چار چاند لگا رہے تھے۔خود کو آئینے میں دیکھتا وہ ہاتھ میں گھڑی پہننے لگا کہ اچانک مبارہ کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے لہرایا۔

''میرا قصور نہیں ہے۔میں نے اسے کوئی امید، کوئی اشارہ نہیں دیا۔''

اردشیر نے خود کو باور کرایا۔وہ کئی بار خود سے یہ کہہ چکا تھا۔مبارہ کے لیے بھی اسے دکھ ہو رہا تھا پر یہ بھی سچ تھا وہ قصوروار تو نہیں تھا۔مبارہ کی محبت کو وہ اپنا نہیں سکتا تھا۔ایک کا دل رکھنے کے لیے وہ سب کے دل نہیں توڑ سکتا تھا۔وہ جانتا تھا سراج الدین کبھی مبارہ کو قبول نہیں کریں گے، زینب کا رشتہ بھی خطرے میں پڑ جائے گا اور پلوشہ۔اس سب میں اس کا کیا قصور تھا۔

''مجھے معاف کر دینا لڑکی، تم بہت معصوم ہو پر تمہیں اور تمہاری محبت کو میں قبول نہیں کر سکتا۔''

زیرِ لب بڑبڑاتا وہ موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔اسے صارم کی کال آ رہی تھی کہ مہمان تقریباً پہنچ چکے تھے۔وہ بھی تیار ہو کر نیچے آ جائے۔

.....☆☆.....

چار سال بعد سراج الدین کا گھر ایک بار پھر سے جگمگا اٹھا تھا۔نکاح کی تقریب

اپنے عروج پر تھی۔ سارے انتظامات بہترین طریقے سے کیے گئے تھے۔ سامنے اسٹیج پر مولوی صاحب عمر اور زینب کا نکاح پڑھا رہے تھے۔ اس کے بعد اردشیر اور پلوشہ کا نکاح ہونا تھا۔ ہر کوئی دلہن کی تعریف کرتے نہیں تھک رہا تھا۔ سولہ سال کی دلہن بنی زینب پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو مبارہ؟'' عارفہ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا جو جامنی رنگ کے فراک زیب تن کیے خاموش بیٹھی سامنے زینب کو دیکھ رہی تھی۔ کتنا فرق تھا دونوں کے نصیبوں میں، سامنے بیٹھی لڑکی زیادتی کا شکار ہوئی تھی پھر بھی آج وہ محبت کا تاج سر پر سجائے کسی کی بیوی بن گئی تھی اور وہ۔ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہوئی تھی اس کے باوجود اردشیر کے نام کی تہمت اس پر لگ چکی تھی کوئی اسے اپنانے کو تیار نہیں تھا اور وہ کیسے کسی کو یقین دلائے کہ آج بھی اس کی عزت محفوظ تھی۔

''مبارہ کیا ہوا؟'' عارفہ نے اسے خاموش پا کر اس کا کندھا ہلایا۔ وہ اسے ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں عارفہ فکر مت کرو۔'' مبارہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے سامنے دیکھا جہاں عمر اور زینب کا نکاح ہو چکا تھا۔ سب ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔ جب یکدم آسیہ گھبراتی ہوئی وہاں آئیں اور

شاہد خان کے کان میں جھک کر کچھ کہنے لگی۔ ذرا سی دیر گزری تھی کہ اچانک اسٹیج کا ماحول بدل گیا۔ اردشیر اور عمر اٹھ کر گھر کے اندر بڑھے تھے۔ جب کہ سراج الدین کھڑے شاہد خان سے کچھ کہہ رہے تھے انداز کافی برہم تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے بابا سائیں؟'' عارفہ اور مبارہ نے سوالیہ نظروں سے ساتھ بیٹھے وجاہت شیخ سے پوچھا۔ جو خود بھی معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''میں دیکھ کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر وہاں سے چلے گئے تاکہ خبر لے سکیں آخر معاملہ کیا ہے۔

''اماں۔'' ابھی مبارہ ندرت شیخ کی طرف مڑتی کہ تبھی دو عورتیں ان کی ٹیبل کے قریب چلی آئیں۔

''ہائے ندرت سنا تم نے اردشیر کی دلہن بھاگ گئی ہے کسی لڑکے کے ساتھ۔ توبہ توبہ کیا زمانہ آ گیا آج کل کے لڑکے لڑکیاں اف۔'' ان میں سے ایک عورت کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی اور پھر یہ بات جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ سارے مہمان آپس میں چہ میگوئیاں کرتے طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ وہ عورتیں بھی ندرت شیخ سے مزید کچھ کہہ رہی تھیں۔ جبکہ مبارہ اور عارفہ ساکت بیٹھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''کہیں یہ وہ لڑکا تو نہیں جس کے ساتھ پلوشہ اکثر یونیورسٹی میں دکھائی دیتی تھی؟''
عارفہ کی بات پر مبارہ کو یاد آیا۔ پلوشہ نے کس طرح بیتاثر چہرے سے نکاح کی مبارک باد وصول کی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی کی کوئی رمق نہیں تھی اور وہ لڑکا ان کے قریب جاتے ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔

''تبھی پلوشہ نے یونیورسٹی میں کسی کو نکاح کی دعوت نہیں دی کیونکہ وہ۔''

''پہلے ہی بھاگنے کا پلان بنا چکی تھی۔'' اور مبارہ کی ادھوری بات کو عارفہ نے مکمل کیا تھا۔

.....☆☆.....

''جب تم جانتی تھیں تمہاری بیٹی کسی اور کو پسند کرتی ہے تو پھر تم نے یہ رشتہ کیوں طے کیا؟''

سراج الدین آسیہ پر برستے ہوئے بولے۔ وہ سب اس وقت گھر میں جمع تھے۔ کسی کے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں۔ باہر مہمان موجود تھے جو طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔

''مجھے کیا معلوم تھا بھائی۔ وہ اتنا بڑا قدم اٹھا لے گی۔ میں تو شاہد کے کہنے پر رشتہ لے کر آپ کے پاس آئی تھی۔'' آسیہ روتے ہوئے بولیں۔

شاہد خان کا جھکا سر مزید جھک گیا تھا۔ عمر کا بھی کچھ یہی حال تھا۔ جبکہ زینب اور صارم رشیدہ بیگم کو سنبھال رہے تھے۔ جنہوں نے رو رو کر بُرا حال کر لیا تھا پر اردشیر۔ اس سب میں ایک وہی تھا جو پر سکون کھڑا تھا۔ اس کے نزدیک پلوشہ اتنی قصوروار نہیں تھی جتنے آسیہ اور شاہد خان اگر ان کی بیٹی کسی کو پسند کرتی تھی تو اسے پورا حق حاصل تھا کہ اس کی پسند کا احترام کیا جائے نہ کہ انا کا مسئلہ بنا کر زبردستی شادی کی جائے۔

''تم دونوں نے مجھے کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا اب کیا جواب دوں گا میں لوگوں کو۔''

سراج الدین وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ جب وجاہت شیخ کی آواز پر سب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''کیا تم میری بیٹی کو اپنے گھر کی بہو بناؤ گے سراج؟'' مبارہ جو باپ کو ڈھونڈتی ہوئی اندر آ رہی تھی وجاہت شیخ کی بات سن کر اس کے قدم وہیں ساکت ہو گئے۔

''کیا تم اس دشمنی کو ختم کر کے میری بیٹی کو اپنی بہو بنانا چاہو گے۔''

وجاہت شیخ نے ایک بار پھر پوچھا۔ سب خاموش کھڑے انہیں دیکھ رہے تھے جب سراج الدین اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سامنے آئے۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے کوئی رشتے داری جوڑنا چاہوں گا؟''

''میں جانتا ہوں سراج جو ہوا وہ غلط تھا پر پنچائیت کے فیصلے پر تم نے اپنا بدلہ لے لیا تھا جس کی سزا آج تک میری بیٹی کاٹ رہی ہے۔''

باپ کی بات پر بے اختیار مبارہ کی نظر اردشیر کی طرف اٹھی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کا دل چاہا سب کو بتائے اس رات اس کے ساتھ کچھ نہیں ہوا تھا پر اردشیر کی تنبیہ کرتی نظریں اسے خاموش رہنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

''تم خود بھی باپ ہو سمجھ سکتے ہو اولاد کا دکھ۔اگر عمر تمہاری بیٹی سے شادی نہ کرتا تو میری طرح تم بھی اس کی خوشیاں دیکھنے کو ترستے رہتے۔'' وجاہت شیخ نے کہتے ہوئے اب کی بار سراج الدین کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''میری بیٹی کو اپنے گھر کی بہو بنا لو ورنہ اردشیر کے نام کی تہمت کبھی اس کا گھر بسنے نہیں دے گی۔''

''بابا سائیں۔'' مبارہ کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے اس نے بھلا کب چاہا تھا کہ سب کے سامنے اس کے بابا سائیں یوں جھک جائیں۔

سراج الدین نے ایک نظر وجاہت شیخ کے جڑے ہاتھوں پر ڈالی اور پھر مبارہ کو دیکھا جو باپ کے لیے رو رہی تھی۔انہیں اس پر ترس آیا۔بھائی کے کیے کی سزا وہ

معصوم بھگت رہی تھی۔ چار سال پہلے ایک فیصلہ پنچائیت نے کیا تھا اور چار سال بعد ایک فیصلہ سراج الدین نے کرنا تھا۔ جو ایک بار پھر اس لڑکی کی زندگی کو بدلنے والا تھا۔ سراج الدین آگے بڑھے اور پھر۔

وہاں وہ ہوا کہ سب ہی لوگ حیرت سے گنگ رہے گئے۔ سراج الدین نے وجاہت شیخ کو گلے سے لگالیا تھا۔

''وجاہت کیا تم اپنی بیٹی کا نکاح میرے بیٹے سے کر کے مہمانوں کے سامنے میرا سر جھکنے سے بچا سکتے ہو؟''

اگر وجاہت شیخ ان کے سامنے جھکے تھے تو وہ بھی بڑا پن دکھاتے ہوئے مبارہ کا ہاتھ مانگ کر انہیں عزت بخش رہے تھے۔

''اگر اردشیر بیٹے کو کوئی اعتراض نہیں تو مجھے خوشی ہوگی اپنی بیٹی کو تمہارے گھر کی بہو بناتے ہوئے۔''

اب کی بار سب کی نظریں اردشیر کی طرف اٹھی تھیں۔ سب کو اپنی طرف متوجہ پا کر وہ گڑبڑا اٹھا۔

''جو بابا سائیں کا فیصلہ ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''چلو پھر طے ہوا مبارہ ہمارے گھر کی بہو بنے گی۔ اب سب یہاں کیا کھڑے

ہو؟ جاؤ جا کر نکاح کی تیاری کرو۔'' سراج الدین کے کہتے ہی سب فوراً گھر سے باہر نکل گئے۔ تا کہ نکاح خواں اور مہمانوں کو اس نئی تبدیلی سے آگاہ کر سکیں۔ اب وہاں صرف سراج الدین، مبارہ اور وجاہت شیخ رہ گئے تھے۔ سراج الدین دونوں باپ بیٹی کو اکیلے میں بات کرنے کا وقت دیتے خود بھی وہاں سے باہر چلے گئے۔

''بابا سائیں!'' مبارہ وجاہت شیخ کے سامنے آئی۔

''میں جانتا ہوں بیٹی تم اردشیر کو پسند کرتی ہو میں نے تمہاری اور تمہاری سہیلی کی باتیں سن لی تھیں۔'' باپ کی بات پر اس نے شرمندگی سے سر جھکا دیا۔

''اس میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی چار سال پہلے میں نے بیٹے کی خاطر تمہارے ساتھ زیادتی کی تھی پر اب میں تمہارے ساتھ بالکل زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔ اگر مجھے سراج الدین کے سامنے ناک بھی رگڑنی پڑتی تو اپنی بیٹی کے لیے میں وہ بھی کر جاتا۔''

بیٹے کی موت کے بعد وجاہت شیخ کو اپنے سب گناہوں کا احساس ہو گیا تھا۔ انہوں نے مبارہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ باپ کے گلے لگتی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''چلو بس کرو آؤ تمہاری اماں اور سہیلی کو تمہارے نکاح کی خبر دیتے ہیں۔ دیکھنا

تمہاری اماں خوشی کے مارے اپنی ساری بیماری بھول جائے گی۔'' وجاہت شیخ کی بات پر وہ نم آنکھوں سے مسکراتی ان کے ساتھ چل پڑی۔

جس کے بعد فضاء میں اردشیر اور مبارہ کے نکاح کی مبارک باد گونج اٹھی تھی۔ عارفہ تو اس کایا پلٹ پر حیران تھی وہ یہاں مبارہ کو حوصلہ دینے آئی تھی اور اب بیٹھ کر اس کے نکاح کے چھوہارے کھا رہی تھی۔

.....☆☆.....

ان کی شادی کو دو ہفتے گزر چکے تھے۔ جس میں ادھر ادھر کی دعوتوں سے فارغ ہو کر اردشیر اسے لیے فوراً شمالی علاقہ جات پہنچ گیا تھا۔ اپنے ہنی مون کے لیے۔

اس وقت بھی وہ دونوں ہنزہ کے مختلف مقامات اچھی طرح گھوم پھرنے کے بعد اپنے ہٹ کے پاس بنی چھوٹی چھوٹی پہاڑوں میں سے ایک پر بیٹھے تھے۔ جب دور افق پر اڑتے پرندوں کو دیکھتے ہوئے یکدم مبارہ نے گردن موڑ کر اپنے سے چند انچ کے فاصلے پر بیٹھے اپنے باکردار شریک سفر کو دیکھا اور پھر دھیرے سے اپنا سر اس کے شانے پر ٹکا دیا۔ اردشیر نے مسکراتے ہوئے اس کے گرد بازوؤں کا حصار کھینچا۔

''اردشیر!''

''ہوں؟''

''پتا ہے میرا دل کرتا ہے۔ میں سب کو بتا دوں کہ اس رات کچھ نہیں ہوا تھا۔ اپنے لیے نہیں، بلکہ مجھے اچھا نہیں لگتا جب کوئی زنا جیسے گناہ کے ساتھ آپ کا نام جوڑتا ہے۔''
اردشیر کے ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنساتی وہ دھیرے سے بول رہی تھی۔

''اور میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے مبارہ۔ میرا اللہ ہمارے حال سے واقف ہے۔ ہمیں کسی اور کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔''

اردشیر نے اکثر کہا ہوا جملہ پھر دہرایا۔ مبارہ جب بھی سب کو بتانے کا کہتی تھی وہ یہی جملہ کہہ کر بات ختم کر دیتا تھا۔

''ویسے آج صبح زینب کی کال آئی تھی۔ بتا رہی تھی پلوشہ اپنے شوہر کے ساتھ پھر آئی تھی مگر اس بار بھی آسیہ پھوپھو اور شاہد انکل نے اسے معاف نہیں کیا۔ آپ کو نہیں لگتا انہیں معاف کر دینا چاہیے؟'' اس نے ذرا سا چہرہ اٹھا کر اردشیر کی رائے لینی چاہی۔

''ان کا معاملہ ہے۔ وہ بہتر جانتے ہوں گے۔ ہمیں ان کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ سرسری لہجے میں بولا۔ مبارہ جانچتی نظروں سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی پلوشہ کے نام پر وہ کیسے ریکٹ کرتا ہے۔

''ایسے مت دیکھو مجھے فرق نہیں پڑتا پلوشہ کے ذکر سے۔'' وہ دیکھ تو سامنے رہا

تھا پر خود پر جمی مبارہ کی نظروں کو اچھے سے محسوس کر سکتا تھا۔

''آپ نکاح کرنے والے تھے اس سے۔'' وہ نکاح پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''کیا تو نہیں۔'' وہ بھی دوبدو بولا۔

''اور ہاں آخری بار بتا رہا ہوں۔ میں اس سے نکاح زینب کی خوشی کے لیے کر رہا تھا محبت میں نہیں۔''

اب کے اردشیر کا انداز ڈپٹنے والا تھا۔ مبارہ منہ بناتی واپس سر اس کے شانے پر رکھتے ہوئے سامنے دیکھنے لگی۔

''ویسے بابا سائیں کو زینب کی رخصتی بھی ہمارے ساتھ کر دینی چاہیے تھی۔ بے چارے عمر بھائی۔ انہیں دیکھ کر مجھے بہت ترس آ رہا تھا۔''

''لو جی! اب محترمہ کو عمر اور زینب کی فکر ستانے لگی تھی۔'' اردشیر نے آنکھیں گھماتے ہوئے اس کے گرد موجود حصار کو مزید تنگ کیا۔

''زینب ابھی پڑھ رہی ہے ورنہ عمر کی تو پوری کوشش تھی ہمارے ساتھ ہی زینب کی رخصتی کروا لے۔''

عمر کی حالت سوچتے ہوئے اردشیر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اسے خوشی تھی کہ پلوشہ کے واقعے نے زینب کی زندگی کو متاثر نہیں کیا تھا۔

''ہاں پر وہ کتنے اتاؤلے۔''

''بس ہم یہاں ہنی مون پر آئے ہیں۔ سب کے مسئلوں پر نظر ثانی کرنے نہیں۔'' وہ چڑ کر بولا۔ ''محترمہ کو سب کی فکر تھی سوائے ایک شوہر کے۔''

''آپ سے تو بات ہی کرنا بے کار ہے۔'' مبارہ بھی اسی کے انداز میں کہتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اردشیر نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ اس گزرے ایک سال میں یہ لڑکی اسے کتنی عزیز ہو گئی تھی کہ اب ایک لمحہ بھی اس کے بغیر ادھورا لگتا تھا۔

''اچھا ایک بات پوچھوں؟'' واپس اسی پوزیشن میں آتے ہوئے وہ معصومیت سے اردشیر کو دیکھنے لگی۔

''نہیں۔'' اس نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔ جانتا تھا اب میڈم منہ پھولا کر بیٹھ جائیں گی۔

''آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے ناں۔'' نا جانے کیا سوچ کر وہ آج بول بیٹھی اور جب بولی تو آواز بھرا گئی تھی۔

''پاگل لڑکی! کس نے کہا محبت نہیں ہے۔ ہاں میں نے نکاح بابا سائیں کے کہنے پر ضرور کیا تھا پر اس ایک سال میں تم میرے دل میں اس مقام پر پہنچ چکی ہو جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ اگر تم نے کبھی اپنی جگہ چھوڑنے کا سوچا بھی تو میری

سانسوں کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔'' مبارہ کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر کر اردشیر اس کی آنکھوں میں جھانکتا، اپنے دل کا حال بتا رہا تھا۔ محبت کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس لڑکی کے تمام شک وشبہات کو بھی ختم کر دینا چاہتا تھا۔

''تم آج جان لو کہ میری زندگی میں آنے والی تم پہلی لڑکی اور آخری محبت ہو۔ تم سے پہلے یہ دل نہ کسی کے لیے دھڑکا ہے اور نہ ہی کبھی دھڑکے گا۔''

محبت سے کہتا وہ اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی مہر ثبت کرنے لگا۔ مبارہ نے پرسکون ہوتے ہوئے اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

وہ جو اس اک رات کی اسیر ہو چکی تھی، اب ساری زندگی کے لیے اردشیر کی قید میں رہنا چاہتی تھی۔

ہم جو محبت کے فقیر تھے
کہ اک تیرے ہی مریض تھے
ہمیں طلب تھی فقط تیری
کہ ہم اک رات کے اسیر تھے

.....☆.....